حدیثِ نبوی ؐ

☆ ~~~~~~~~ عزیز انصاری

حدیث کے معنی عربی زبان میں گفتگو اور بات چیت کرنے کے ہیں۔ مگر اصطلاح میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کا نام ہے۔ سرکارِ دو عالم ؐ کے قول و فعل اور عمل و تقریر میں کوئی فرق نہیں تھا۔ آپ ؐ نے وہی کہا اور پسند فرمایا جس پر خود بھی عمل کیا اور آپ ؐ کا یہ عمل عین حکمِ خداوندی تھا۔ آپ ؐ کی حیاتِ مبارکہ کو قرآن مجید نے ہمارے لئے بہترین نمونہ قرار دیا ہے کیونکہ آپ ؐ کی مقدس زندگی قرآن ہی کی عملی تفسیر ہے جس کا اتباع اور پیروی ہمارے لئے ضروری ہے۔ اگر قرآن حکیم کا صحیح فہم درکار ہے تو وہ علم حدیث کے بغیر ممکن نہیں جو شرح و بسط کے ساتھ قرآنی احکام و آیات کی عملی تشکیل اور تعبیر و توضیح ہے۔ قرآن کے بعد حدیث ہی وہ ذریعہ ہے جس سے ہماری اصلاح و ہدایت ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء اور راسخین فی العلم نے اسلامی قوانین کے استخراج و استنباط کے ضمن میں اسے قرآن کے بعد دوسرا اہم ماخذ قرار دیا اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل اور تشریحی بیان کو بطور حجت تسلیم کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اصحابِ رسول ؐ کی زندگیوں کو بھی خصوصی اہمیت دی گئی اور ان کے طور طریق، اخلاق و فضائل اور حالاتِ زندگی سے بھی بہت کچھ استفادہ کیا گیا ہے۔ احادیث کی موجودگی نے مسلمانوں کے لئے اسلامی تعلیمات و ہدایات اور قرآنی احکام کو سمجھنے میں حد درجہ آسانی پیدا کر دی۔

قرآن فہمی میں سنت کی تشریحات و توضیحات اساسی حیثیت رکھتی ہیں۔ جو آیتیں مجمل تھیں احادیث نے نہ صرف ان کی تشریح کی ہے بلکہ موقع و محل کے لحاظ سے ان کا تعیّن کر کے ان کے عمل کی کیفیت، اسباب و شرائط اور لوازم وغیرہ کی بھی تفصیل بیان کر دی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر قرآنی احکام و تعلیمات مثلاً کسی چیز کی حرمت و حلّت یا اباحت، نئے حالات و متقضیات کی تفصیلات ہمیں سنت ہی میں ملتی ہیں۔

اور وہ سب کی سب قرآن حکیم ہی کی شرح و وضاحت ہے۔ من حیث المجموع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآنی تعلیمات کا کامل نمونہ تھی جس کے بغیر قرآن کی عملی فہم ممکن نہیں۔ "کان خلقہ القرآن" قرآن ہی آپؐ کی سیرت ہے۔ یہ حضرت عائشہ نے فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے:

"انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ"

اے پیغمبر! ہم نے آپؐ پر (قرآن) کتاب سچائی کے ساتھ نازل کر دی ہے تاکہ جو کچھ اللہ نے بتلایا ہے آپؐ اس کے مطابق فیصلہ کریں۔

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:

"حدیث میں کوئی بیان ایسا نہیں جس کی اصل قرآن حکیم میں نہ ہو"

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے:

"جس نے رسولؐ کی حدیث کو رد کیا وہ ہلاکت کے کنارے پہنچ گیا"

ایسی ہی آراء ان تمام علماء و فقہاء کی ہیں جو اپنے علم و فضل اور دیانت و تقویٰ کی بدولت اسلام کی مایۂ ناز ہستیاں شمار ہوتی ہیں۔

کتب سیر و تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ ابتداءً احادیث لکھنے کا رواج عام نہ تھا۔ رسولِ اکرم صلعم کے زمانے میں حدیثیں عموماً حفظ کی جاتی تھیں۔ عربوں میں قدیم سے یہ دستور تھا کہ وہ اپنے آباء و اجداد اور اکابر و اسلاف کے کارناموں، طور طریقوں اور واقعات تاریخی کی روایات کو محفوظ رکھا کرتے تھے اور انہیں سینہ بہ سینہ خلفاً عن سلفٍ منتقل کرتے رہتے تھے۔ رسول اکرمؐ کی بعثت کے بعد جب ان کی ذہنی و دماغی دنیا میں ایک انقلاب عظیم برپا ہوا اور ایمان و ایقان کی روشنی سے ان کے دل منور ہوئے تو ان کی اس عادت میں بھی تبدیلی رونما ہوئی اور وہ بجائے غیر ضروری خاندانی واقعات اور تاریخی روایات کو محفوظ رکھنے کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبارؓ کے اخلاق و شمائل اور ان کے اقوال و افعال کی روایات کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ وہ بنیاد تھی فنِ حدیث کی جس نے آگے چل کر باقاعدہ علم کی صورت اختیار کر لی۔ یہی نہیں بلکہ جب حدیث لکھنے کا رواج عام ہوا اور صحیح و مستند احادیث کی تلاش و جستجو شروع ہوئی تو راویوں کے حالات، ان کے علمی و دینی تبحر اور

ان کے کردار کی چھان بین اور تفحص و تحقیق کے نتیجہ میں کئی اور ذیلی علوم پیدا ہوئے جو ہمارے لئے آج باعثِ افتخار ہیں۔ یوں تو بعض صحابۂ کرام نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانے میں آپؐ کی اجازت سے احادیث کو قلم بند کرنے کی انفرادی کوششیں شروع کر دی تھیں مگر اس کے نتیجہ میں کوئی باقاعدہ کتاب مرتب نہیں ہوئی اور یہ خیال عام رہا کہ ایسا کرنے سے قرآن کی مرکزیت متاثر ہوگی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو بھی احادیث لکھنے کا خیال پیدا ہوا مگر ازاں بعد وہ تحریر شدہ مجموعہ بھی یہ سمجھ کر ضائع کر دیا کہ کہیں لوگ کلام الٰہی اور احادیث کے متن میں فرق کو ملحوظ نہ رکھ سکیں اور کسی گمراہی اور ضلالت کا شکار ہو جائیں۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اس امر کا شدت سے احساس ہونے لگا کہ اگر انھوں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ان واقعات و مواعظ اور اقوال و افعال کی روایات کو قلم بند نہ کیا تو یہ ایک بڑی غلطی ہوگی اور اُمت آگے چل کر اس علمی، اخلاقی اور ثقافتی ورثہ سے محروم ہو جائے گی جو نبیؐ صلعم کی حیاتِ مقدسہ کی پیروی، تقلید اور اتباع کے لئے ضروری ہے۔ پھر یہ کہ اس کے بغیر قرآن کا صحیح فہم اور ادراک بھی ممکن نہیں۔ چنانچہ ۱۴۳ھ میں یا اس کے لگ بھگ اس کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی۔ آگے چل کر امام مالکؒ، امام بخاریؒ، ابو مسلمؒ، ابو داودؒ، امام حاکمؒ اور امام احمدؒ وغیرھم نے اس فن کی طرف خصوصی توجہ دی اور اپنی تحقیق و تدقیق سے کئی ایک احادیث کے مجموعے مرتب کئے جو آج ہمارے لئے باعثِ فخر ہیں اور بیش قیمت خزینہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اگرچہ احادیث کے لکھنے کا آغاز رسول اللہؐ کے زمانے میں ہو چکا تھا، لیکن رواۃ حدیث کی تنقیح و تعدیل کی ضرورت عہد تابعین میں ہوئی۔ لہٰذا واقعہ کی صحت اور متن کے صحیح الفاظ کی تلاش اور پرکھ پر خاص دھیان دیا گیا۔ یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ اس وقت ایسے لوگ بھی پیدا ہو چکے تھے جنھوں نے ذاتی اغراض، مادی مفادات کے لئے یا اسلام کی یک جہتی کو نقصان پہنچانے کی نیت سے احادیث وضع کرنے کا بھی سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ ان کی چھان پھٹک کی جائے اور راویوں کی ثقاہت اور ان کے معیار کو جانچا جائے۔ قبولیتِ اسناد میں اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا کہ اس راوی کی حدیث کو افضل مانا جائے جس نے خود رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض اُٹھایا ہو یا قریب تر زمانہ میں پیدا ہوا ہو۔ اس نقطۂ نظر سے سب سے زیادہ معتبر راوی صحابہ کرامؓ

قرار پائے جنہیں اُٹھتے بیٹھتے، اور سفر وحضر میں رسولِ خدا صلعم کی رفاقت میسر تھی۔ اور ان کے بعد تابعین کا درجہ ہے جنہیں صحابہ کرامؓ سے فیض یاب اور مستفید ہونے کا موقع ملا۔ اور ان کے بعد تبع تابعین کا درجہ ہے جو تابعین کے دیکھنے والے ہیں۔ اس طرح حدیث دو حصوں میں منقسم ہوگئی۔ پہلا حصہ اسناد کہلایا جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ حدیث کن کن راویوں کے ذریعہ بیان ہوئی ہے۔ اور دوسرا حصہ خود وہ حدیث یا روایت جس کو "متن" کہا جاتا ہے۔ راویوں کے سلسلہ بیان سے یہ شائبہ التباس یکسر ختم ہوجاتا ہے کہ رسول اکرم صلعم کے زمانہ سے حدیث کس طرح یہاں تک پہنچی اور یہ کہ جن لوگوں نے اسے بیان کیا ہے وہ کس قدر ثقہ، محتاط اور معتبر ہیں۔ صحت کا اس سے بہتر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے؟ مگر اس پر ہی بس نہیں کیا گیا بلکہ راویوں کے اعتبار اور ان کی اخلاقی اور ذہنی حیثیت کو پرکھنے کے لئے ایک علیحدہ علم "فن رجال" یا "اسماء الرجال" معرضِ وجود میں آیا جس کا اصطلاحی نام "الجرح و التعدیل" ہے۔ اس علم کے ذریعے محدثین نے صدق و کذب اور کھرے کھوٹے کو الگ الگ کر دکھایا اور احادیث کو راویوں کی حیثیت، الفاظِ روایت کے فرق واختلاف اور سلسلۂ روایت کے لحاظ سے بہت سی قسموں میں بانٹ دیا جس کی وجہ سے احادیث کی فہم اور اس کا علم عامۃ المسلمین کے لئے بھی آسان ہوگیا۔

اسناد کی تحقیق وجستجو کے ساتھ ساتھ ائمہ فن نے چند اصولِ درایت بھی منضبط کئے ہیں تاکہ حدیث کے متن اور راویوں کے طریق بیان کو بھی پرکھا جاسکے۔ علامہ ابن حزمؒ، ابن القیمؒ اور خطابیؒ وغیرہ نے ان اصولوں سے روایتوں کی تنقید میں مدد لی ہے۔ مگر وہ روایتیں جو عالمِ غیب سے متعلق، ماورائے عقل ہیں ان میں عقل کو داخل کرنے سے پرہیز کیا ہے۔ ان کو ان اُصولوں سے اس لئے مستثنیٰ رکھا کہ یہ باتیں مشاہدہ اور حواس کے ادراک سے بالاتر ہیں اور تعقل سے زیادہ عقیدہ کی محتاج ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب "عجالۂ نافعہ" میں جن اصولِ درایت کا ذکر کیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں:-

۱- اگر کوئی روایت تاریخ مشہور یا واقعات ومشاہدات کے خلاف ہو تو صحیح تسلیم نہ کی جائے۔

۲- اگر وقت وحال کا قرینہ اس کے خلاف ہو یا کسی مسلّم اصول کے منافی ہو تو بھی باور نہ کیا جائے۔

۳- اگر حدیث میں کوئی بات خلافِ مقتضائے عقل وعقیدہ ہو تو ایسی روایت قابلِ اعتبار نہیں۔

۴ ۔ اگر کوئی بات ایسی بیان کی جائے یا احادیث کا معنی و مفہوم ایسا ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، شانِ نبوت اور وقارِ رسالت کے منافی ہو تو اسے جعلی سمجھ کر رد کر دینا چاہیئے۔

۵ ۔ مضمونِ روایت میں کوئی اس قسم کا اشتباہ نہ ہو جس سے اس کی تعبیر و توجیہ مشکل ہو جائے۔

۶ ۔ او ہام پرستی کی ترغیب ہو اور نہ ایسی باتیں ہوں جنہیں عام طور سے قبول نہیں کیا جاتا۔

مولانا شبلی نعمانی نے بھی اپنی کتاب "الفاروق" کے مقدمہ میں چند اصولِ درایت کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہیں :۔

۱ ۔ واقعہ مذکورہ اصولِ عادت کی رو سے ممکن ہے یا نہیں۔

۲ ۔ اس زمانہ میں لوگوں کا میلانِ عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق ؟

۳ ۔ واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟

۴ ۔ اس واقعہ کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اس میں قیاس و رائے کا کس قدر حصہ شامل ہے ؟

۵ ۔ راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا ہے وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اس کے ہر ایک پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر نہ آسکیں۔

۶ ۔ اس بات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقِ ادائیگی نے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیئے ہیں۔

ائمہ فن اور محدثین کی ان کاوشوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کتب احادیث کی ترتیب تدوین اور تحدید و تقسیم میں کس قدر حزم و احتیاط اور تفحص و تلاش سے کام لیا ہے۔ اس کے بعد ایک مسلمان کے لئے حدیث اور اس کی صحت سے انکار کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔

اس وقت بھی جب لوگ احادیث زبانی روایت سے حاصل کرتے تھے بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اگر یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ فلاں شخص کو احادیث زبانی یاد ہیں یا ان کا علم ہے تو شائقین اس کے پاس پہنچتے اور اس سے سُن کر حفظ کر لیا کرتے تھے اور جو لکھنا جانتے تھے لکھ لیا کرتے تھے۔ اور دوبارہ سن کر اگر کوئی بھول ہوتی یا غلطی رہ جاتی تو اس کی تصحیح کر لیا کرتے تھے۔ راوی عموماً حدیث کی

تشریح بھی کرتا اور لوگ اس کو بعینہٖ قلم بند کر لیتے یا زبانی یاد کر لیتے اور پھر کسی تیسرے شخص کے سامنے بھی اسی طرح بیان کرتے جیسا کہ انہوں نے سُنا تھا اور اس روش سے ہٹنا معیوب سمجھا جاتا مبادا کہ بیان میں ان سے کوئی غلطی ہو جائے اور وہ گنہ گار قرار پائیں۔ جب زبانی روایت اور حفظ احادیث کا یہ دستور بند ہو گیا اور حدیثیں عموماً لکھی جانے لگیں تو اوّل اوّل ان کی یہ صورت تھی کہ راوی یا رجال کے لحاظ سے ان کو مرتب کیا گیا اور سند پر خاص توجہ دی گئی۔ اس قسم کا مجموعہ "مسند" کہلایا۔ چنانچہ "مسند احمد بن حنبل" اس سلسلہ کا خاص مشہور مجموعہ ہے۔ بعد میں متن اور مضامین کے لحاظ سے ترتیب قائم کی گئی اور ایسے مجموعہ کا نام "مصنف" قرار پایا۔ صحاح ستہ کی سب کتابیں اسی طریق پر مرتب ہوئی ہیں اور یہ سب کی سب خاص مرتبہ کی حامل تصور کی جاتی ہیں۔ بالخصوص بخاری اور مسلم جو صحیحین کے نام سے مشہور ہیں ان کا مرتبہ تو اتنا بلند ہے کہ اگر کوئی روایت ان دونوں میں یا ان میں سے کسی ایک میں درج ہے تو پھر اس روایت کو بے اصل نہیں قرار دیا جاتا۔ اس لئے کہ ان دونوں مجموعوں کی ترتیب و تدوین اور تحدید و تقسیم میں اس امر کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی بے اصل روایت درج نہ ہونے پائے۔

اس تنقید کے نتیجہ میں ظاہر ہے بعض روایتیں زیادہ معتبر قرار پائیں اور بعض کم، بہ لحاظ حیثیت اور معیار ان کی جو تقسیمیں ہوئیں اور جو اصطلاحی نام ان کو دیئے گئے ہیں، وہ یہ ہیں:۔

۱۔ اگر راویوں کا پورا سلسلہ نہایت معتبر، ثقہ اور دین دار ہے اور ان کی روایت کردہ حدیث میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جو قرآن و شرع سے متصادم ہو تو ایسی حدیث کو "صحیح" کہا گیا۔

۲۔ اگر راویوں کے سلسلہ میں کوئی راوی کم رتبہ کا ہے یا سلسلۂ روایت مکمل نہیں یعنی کسی ایک راوی کا پتہ نہیں ملتا تو ایسی حدیث کا نام "حسن" قرار پایا۔

۳۔ اگر راوی کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے کا سراغ نہیں ملتا اور نفسِ روایت میں بھی کوئی بات شبہ کی موجود ہے تو ایسی روایت کو "ضعیف" سمجھا گیا۔

۴۔ اگر راوی نے قولِ رسولِ اکرم صلعم کے الفاظ کی جگہ کہیں کہیں اپنے الفاظ استعمال کئے ہیں تو ایسی حدیث کا نام "مدرج" رکھا گیا۔

۵۔ اگر راوی صرف ایک ہے اور اس کا اعتبار مشکوک ہے تو اس کی روایت کو ضعیف سمجھتے ہوئے

اس حدیث کو "متروک" قرار دیا گیا۔

۶ - اگر کوئی روایت بلحاظ روایت اور مضمون و مفہوم دونوں طرح غلط ہے تو اس کا اصطلاحی نام "موضوع" رکھا گیا یعنی وضع کردہ اور ایسی حدیث کو جعلی سمجھ کر یکسر رد کر دیا گیا۔

اس تقسیم کے علاوہ اسناد کی تقویت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کچھ اور قسمیں کی گئی ہیں مثلاً :-

۱ - اگر کسی حدیث کے راویوں کا نہایت معتبر اور غیر منقطع سلسلہ کسی صحابی تک پہنچتا ہے تو اسے "مسند" کہتے ہیں۔

۲ - اگر راویوں کا سلسلہ مکمل ہے اور ان میں سے ہر ایک نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر روایت بیان کی ہے تو ایسی حدیث کو "مسلسل" کہا جاتا ہے (مسلسل الحلف اور مسلسل الید)

۳ - اگر اسناد مکمل بھی ہے اور مختصر بھی ہے نیز پہلے اور آخری راوی کے درمیان بہت کم واسطے ہیں تو ایسی حدیث کا نام بلحاظِ اسناد "عالی" ہے۔

۴ - اگر راویوں کا سلسلہ مکمل اور غیر منقطع ہے تو ایسی حدیث کا اصطلاحی نام "متصل" رکھا گیا۔

۵ - اگر راویوں کا سلسلہ پورا نہیں یعنی تابعین کے سلسلہ کا کوئی راوی مفقود ہے تو "منقطع" نام دیا گیا ہے۔

۶ - اگر کوئی بات رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کسی تابعی نے بیان کی ہے مگر وہ یہ نہ بتا سکا کہ اس نے یہ بات کس صحابی سے سنی ہے تو ایسی حدیث کو "مرسل" کہا گیا ہے۔

۷ - اگر کوئی حدیث ایسی ہے جس کی ابتداء "عن فلاں" و "عن فلاں" کے الفاظ سے ہوئی ہے یعنی اسناد حسب سابق ہے تو اُسے "معنعن" کہتے ہیں۔

احادیث کی یہ تقسیم یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ باعتبار طریقِ روایت، راویوں کی ثقاہت و دین داری، ان کے تعدد، زھد و ورع اور ان کے علم و فضل کے لحاظ سے بھی احادیث کی ایک اور تقسیم کی گئی ہے اور وہ حسب ذیل ہے :-

۱ - اگر کسی حدیث کے بہت سے راوی ہیں اور وہ سب کے سب ثقہ و معتبر ہیں تو ایسی حدیث کا نام "متواتر" رکھا گیا۔

۲ - اگر کم از کم راویوں کے تین معتبر طبقوں نے کسی حدیث کو بیان کیا ہے تو اُسے "مشہور" کہتے ہیں۔

۳- اگر کسی حدیث کو علیحدہ علیحدہ دو راویوں نے بیان کیا ہے تو "عزیز" نام رکھا۔

۴- اگر ایک ہی راوی ہے تو "احاد" کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا اقسام کے علاوہ احادیث کی کئی اور قسمیں ہیں جو مختلف ائمہ فن نے اپنی مسلسل جستجو، راویوں کے حالات، اُن کے اعتبارات کی پرکھ، صحیح متن کی تلاش و تفحص اور تنقیح مفہوم اور معنی کے ضمن میں باختلاف باہم دیگر کی ہیں۔ بلا شبہ ہم اسلام کے ان مایۂ ناز علماء اور ان ائمۂ فنِ حدیث و فقہ کی کوششوں پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ اللہ کے ان نیک بندوں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال و افعال اور ان کی ھدایات و تعلیمات کو قلم بند کر کے ہمارے لئے نہ صرف قرآن کے فہم و ادراک کو آسان تر کر دیا بلکہ زندگی کی تعمیر و تربیت میں عظمت کا ایک ایسا روشن مینار کھڑا کر دیا جس کی روشنی میں ہمارے لئے منزلِ مقصود کی تلاش انتہائی سہل اور آسان ہو جاتی ہے۔